Vol.5 No. 2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

ناول "قید" میں مقامیت کا تجزیاتی مطالعہ: مابعد جدیدیت کے تناظر میں

ANALYTICAL STUDY OF INDEGINIZATION IN NOVEL "QAID":IN THE CONTEXT OF POSTMODERINISM

*نعمان نذیر

پی ایچ ڈی اردو، اسکالر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

**ڈاکٹر عزیز ابن الحسن

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Post Modrenism Contrary to super narrative concepet,tries to strengthen the voice of/small cultural groups.In super narrative the smaller narrative ignored.in urdu literature many writers produced stories under the influence of steriоty literature theories.Abdullah Hussain,s very first novel, "Udas Naslien " broke the tradition and gave importance to native Narrative ,in wich common man,s thoughts presented.In the noval "Qaid" Novelist chose the locality of central Punjab.In the context of small village "Rakhwal" writer discussed cultures , politics ,social religion ,mythes etc in artistic way.All his fiction as general , and "Qaid"speacially focused the rural society and its issues.In this article efforts have been made to analyse the novel "Qaid"is the context of Post Modren critical theories.

Key Words: *narrative, influence, locality, Post Modrenism, cultures*

مابعد جدیت نہ تو کوئی باقاعدہ تحریک ہے اور نہ ہی پہلے سے قائم شدہ تحریکوں کی ضد ہے بلکہ مابعد جدیت ایک ایسا آزادانہ رویہ ہے جو آزادانہ تخلیقی طور پہ اپنے ثقافتی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے مہابیانوں طے شدہ بندشوں کو توڑ کر نئے انداز سے دیکھے اور پرکھنے کا عمل ہے۔مابعد جدیت میں آزاد ذہن سے تصورات کا از سر نو جائزہ بلکہ از سر نو تصورات کو قائم کرنا ہے۔مابعد جدیدیت کی اگر کوئی طے شدہ تعریف نہیں کی جاسکتی لیکن اس حوالے سے چند اہم مشاہیر کی آرا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں کہ :

> "مابعد جدیت تخلیق کی آزادی اور تکثیریت کا فلسفہ ہے جو مرکزیت یا وحدت یا کلیت بندی کے مقابلے پر ثقافتی بو قلمونی ، مقامیت ، تہذیبی حوالے اور معنی کے دوسرے پن The Others کی تغیر اور اس تغیر میں شرکت پر اصرار کرتا ہے۔"(1)

مابعد جدیت تاریخی اور کلی صداقتوں کو نہیں مانتی۔مابعد جدیت کا کہنا ہے کہ بڑا بیانیہ ہی جھوٹ اور فساد کی اصل جڑ ہے۔مابعد جدیت کا ایک اہم نظریہ مہا بیانیے "Grand Naritive" کی نفی ہے۔مابعد جدیت مہابیانیہ کو یک سر نظر انداز کرتی ہے۔اس حوالے سے مابعد جدیدیت مفکرین میں اہم نام (J.F Lytard)لیوتار کا ہے۔اس حوالے سے اس کی کتاب "The Modern Condition" اہم ہے۔لیوتار کا تعلق فرانس سے تھا۔بعد میں یہ کتاب انگریزی زبان میں ترجمہ ہوئی۔لیوتار کے نزدیک مہابلانیوں نے اصل صداقتوں کو نظر انداز کر دیا۔

جدیدیت جس نے گلوبل ویلج کا تصور پیش کیا۔لیوتار اس کو یک سر مسترد کرتا ہے۔اس کے نزدیک یہ عالمی پیمانے زندگی کی نیرنگی کا یک سر خاتمہ کر دیتے ہیں۔بڑے عوامل سے چھوٹے چھوٹے عوامل یک سر نظر انداز ہو جاتے ہیں۔لیوتار کے نزدیک تمام سیاسی ، سماجی عوامل کو از سر نو پرکھنا چاہیے۔اسی سے وہ مہابیانیے "Meta Narative" کو یک سر رد کرنا چاہتا ہے۔اس کے خیال میں جدید یت نے اپنے قائم کردہ بڑے بیانیے کے ذریعے اپنے آپ کو منوانا چاہتی ہے۔وہ اس وحدت یا گلوبل ویلیج کے تصور کا اس وجہ سے انکاری ہے ؛کیوں کہ اس سے چھوٹے چھوٹے ثقافتی سرگرمیوں اور بیانیوں کا رد ہوتا ہے جس کی جگہ مہابیانیے لے لیتے ہیں۔اس حوالے سے وہاب اشرفی لکھتے ہیں :

> "انسان کی آزادی و حریت کا خواب اور دوسرے علوم انسانی کی کلی وحدت کا خواب ان کو وہ مہابیانیہ بھی کہتا ہے۔"(2)

مابعد جدیت چھوٹے چھوٹے ثقافتی گروہوں کی آواز کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور اس کے ساتھ بڑے بیانیے کو مسترد کرتی ہے۔مابعد جدیت کی لہر اُردو اَدب میں اگرچہ 80 کی دہائی کے بعد شروع ہوئی ؛لیکن اس سے قبل بھی مصنفین کے ہاں چھوٹے چھوٹے بیانیے کی طرف انحراف نظر آتا ہے۔جہاں چھوٹے چھوٹے علاقائی بیانیے اور ثقافتوں کو بھی بیان کرنے کا انداز دکھائی دیتا ہے۔بڑے ثقافتی گروہوں ،علاقوں سے ہٹ کر چھوٹے علاقوں کی ثقافت کا بیان ملتا ہے۔جہاں محض بڑے دبستان یا شہروں کی ثقافت نہیں بلکہ مخصوص ثقافتی گروہوں کی آواز اَدب میں سنائی دینے لگی۔

Vol.5 No. 2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ناول بیسویں صدی میں اُردو اَدب کی اہم نثری صنف بن چکی تھی۔اکیسویں صدی میں بھی اس کی اہمیت میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ناول میں مختلف پہلوؤں کا بیان کرتا ہے۔عبداللہ حسین کا نام اُردو ناول نگاری میں ان کے شہرہ آفاق ناولوں کی وجہ سے ایک اہم نام گردانا جاتا ہے۔ان کی مقبولیت "اُداس نسلیں" ثابت ہوا۔ان کا ناول "قید" بھی کئی حوالوں سے اہمیت کا حامل ہے۔اگرچہ یہ ناول مختصر ہے۔115 صفحات پہ مشتمل یہ ناول اپنے اندر گہرے سیاسی ، سماجی ، مذہبی عوامل کو سموئے ہوئے ہے۔ناول نگاری کی خاص بات اس کا مقامی ثقافتی پہلو ہے۔ناول میں وسطی پنجاب کی ثقافت اس کی رسومات ، مذہبی زبوں حالی ، معاشی ، مذہبی استحصال کو فن کارانہ اور حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ناول "قید" کے مقامی عوامل کا مابعد جدیدیت کے تناظر میں جائزہ لیا جائے گا۔ناول نگار نے مقامی عناصر کو ناول میں متواتر/تسلسل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ناول کو کئی بڑے بیانیے یا ثقافتی گروہوں کے بجائے پنجاب کے ایک گاؤں موضع رکھوال کا قصہ بیان کیا ہے۔اس کی ذیل میں دوسرے سماجی عوامل کا بیان بھی ملتا ہے۔مابعد جدیدیت بھی چھوٹے بیانیے کی آواز کو طاقت ور بنانے پہ زور دیتی ہے۔عبداللہ حسین نے ایک ایسے دور میں یہ ناول لکھا جب ملک میں اکثر آبادی کا تعلق دیہات سے تھا ؛لیکن اس کے باوجود شہروں کی طرف منتقلی اور چھوٹے سے گاؤں کے پیرائے میں وہ مسائل بیان کیے ہیں جو لاکھوں بلکہ کروڑوں لوگوں کے مسائل ہیں۔

ناول کا مرکزی قصہ موضوع رکھوال پنجاب کے ایک دیہات کا ہے جو لاہور سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔پنجاب کی خاص ثقافت ناول میں دکھائی دیتی ہے۔ناول نگار نے چھوٹی چھوٹی جزئیات نگاری سے ناول میں پنجاب کی مقامی ثقافت کو بیان کیا ہے۔

> "گھر کے وسیع صحن میں دو مچھر دانیاں لگی تھیں۔یہ موٹے موٹے روغنی پائیوں والے نواڑی پلنگ تھے جن پہ بچہ اور اس کی ماں سفید جالی کے پردوں میں محفوظ ہوئے پڑے تھے۔ان سے ذرا ہٹ کر مزید چند چارپائیاں بچھی تھیں۔یہ موٹے پان کی ننگی چارپائیاں تھیں۔جن پہ گھر کا کام کاج کرنے والی لڑکیاں گرمی اور محنت سے بے دم ہو کر بہوشی کی نیند سو رہی تھیں۔"(3)

ناول کا مرکزی کردار کرامت علی جو بعد میں پیر کرامت علی شاہ بن گیا بعدازاں اس کا سلسلہ کراماتیہ ایسا چل نکلا جو اس کی اگلی کئی پشتوں کے لیے بہت تھا۔کرامت علی ایک عام انسان تھا ؛ لیکن اس کو ضعیف الاعتقادیوں اور توہمات پرستی میں اٹے ہوئے معاشرے نے ایک ماورائی شہ کی صورت میں ڈھال دیا۔کرامت علی دیہات کا ایک عام لڑکا جس کو لوگوں نے پیر کرامت علی کے منصب پہ فائز کر دیا ،وہ بذاتِ خود بھی اولاً اس کام کے لیے راضی نہ تھا؛لیکن لوگوں کے پختہ یقین نے اس کو اس رنگ میں ڈھال دیا۔طاقت اور شہرت کا نشہ آخر کار اس کے سر چڑھ کر بولنے لگا۔جہاں لوگ اس کی ایک پھونک کو اپنی مشکلات کا حل اور اپنی زندگیوں کے سنورنے کا ذریعہ سمجھتے ہوں ،ایسے سماج میں وہ کیسے اپنے آپ کو اس معاملے سے بچا سکتا تھا۔

ناول نگار نے اس بہت نازک مسئلے کو بہت فن کارانہ انداز میں برتا ہے۔پنجاب کے دیہاتوں میں اور مجموعی طور پر دیہاتوں کے سادہ لوگ جو ضعف الاعتقاد یوں کا اس قدر شکار ہوتے ہیں کہ وہ ان عقائد کے خلاف بات کرنے کو بھی ایمان کے زائل ہونے کا باعث سمجھ بیٹھتے ہیں اور اسی غلط فہمی میں وہ اپنا سماجی ، معاشی مسئلہ جنسی استحصال بھی کروا بیٹھتے ہیں۔

پیر کرامت علی کی شہرت چاروں جانب پھیل گئی۔اس کے حلقہ عقیدت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔انسانوں کا یہ دریا جلد ہی سمندر کا روپ ڈھالنے لگا۔اپنے دکھوں ، تکلیفوں کا مداوا کرامت علی کی پھونکوں میں نظر آنے لگا۔ایسی صورتِ حال میں اس کی نماز ، عبادات موقف ہو گئیں اور شب و روز لوگوں کو ان کی مرادیں دینے لگا۔زمیندار کا بیٹا ہونے کے ناطے اپنا وسیع ڈیرہ قائم کیا۔اس کے ساتھ ہی نظر و نیاز کا سلسلہ بھی وسیع تو ہوتا گیا۔مصنف نے جن ضعیف الاعتقادیوں کا تذکرہ کیا ہے وہ آج کے پڑھے لکھے لوگوں کا آج بھی اسی طرح سے استحصال جاری ہے۔اس کے ساتھ ساتھ دیہات کی ثقافت کا ایک اور اہم پہلو ذات و برادری کا نظام ہے۔دیہاتوں کے مقامی عوامل میں ایک پختہ کڑی ذات براری ہے۔دیہات میں اکثر لوگ طبقاتی نظام کا شکار ہوتے ہیں۔ذات برادری کا بہت لحاظ رکھا جاتا ہے۔کرامت علی کا زمینداروں کے چوہان طبقے سے تعلق تھا۔جو اس علاقے کی ایک اہم قوم تھی۔اس کی شہرت بڑھی تو اس کے برادری کے لوگوں نے بھی اپنے لیے باعثِ شرف سمجھا۔

دوسری اقوام کے مقابلے میں اپنے آدمی کو برتری میں جاتا دیکھ کر اس کی حمایت اور اس کی آڑ میں اپنے فوائد کو بھاگے یوں کرامت علی کے نئے طاقت کے حصول کے لئے بھی طاقت کے مزید ذرائع کھل گئے۔جب رحمت و علی کو اولاد نصیب ہوئی تو وہ اس کو پیر کرامت علی کی برکات سے تعبیر کرنے لگا اور یوں اس کے لئے موقع میسر آ گیا کہ وہ کرامت علی کو کس طرح اس بات پہ رضامند کرے کہ وہ موضع رکھوال کے بجائے اپنی برادری کے گڑھ یعنی موضع رکھوال میں رحمت علی اور اس کے بھائیوں کی زمین میں منتقل ہو جائے۔ رحمت علی اور اس کے بھائی اپنی زمین کرامت علی کے نام کروا کر اس کا ڈیرہ رکھوال سے کچا کھوہ میں منتقل کروا دیتے ہیں۔قومیت کے اس مقامی عناصر کے حوالے سے ناول کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "رحمت علی اور اس کا بھائی ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔بولے شاہ جی ، یہ ہمارا آپ کا معاملہ نہیں ،ہماری قوم کا معاملہ ہے۔ہمارے پاس اس وقت پیسہ ہے۔اس زمین کا گھیر بے حساب ،مگر چوہان قوم میں نہ کوئی وزیر ،نہ فقیر ،پھر کیا فائدہ ؟نہ اثر و رسوخ۔آپ کا نام بیس گاؤں میں سنائی دیتا ہے۔قوم کی مدد سے بیس ہزار میں گونجے گا۔کچا

Vol.5 No. 2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کھوہ آپ کی قوم کا گڑھ ہے۔ آپ کا مقام رکھوال نہیں۔ کچے کھوہ میں ہے۔ اب یہ زمین آپ کی ہے۔ آپ جائیں تو اس پہ مقام کریں چاہیں تو اٹھا کر کسی کو دے دیں۔"(5)

قومیت جہاں یک جہتی کی علامت ہیں وہاں اس کی تقلید میں اطاعت کے حصول کے لیے گٹھ جوڑ سامنے آتے ہیں۔ اپنی قوم کی جائز ناجائز حمایت کا فائدہ بھی اُٹھایا جاتا ہے۔ دیہاتوں میں بھی طاقت کے اس گٹھ جوڑ سے نچلے طبقے کا مالی، معاشی استحصال کیا جاتا ہے۔ ذات پات میں ڈوبے ہوئے لوگوں اور پیر کرامت کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ دونوں ہی اپنی طاقت کے اضافے کے لیے آپس میں گٹھ جوڑ کر رہے تھے۔ ذات پات کے فرسودہ نظام میں جکڑے یہ لوگ طاقت کا گٹھ جوڑ کر اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے کمزوروں کا استحصال کرتے ہیں۔

یہ لوگ اسی نشے میں بڑھتے ہوئے ایسے تمام ذرائع اپناتے ہیں جو طاقت کی طرف جاتے ہوں۔ بعدازاں ان میں سے کچھ خود اور کچھ ان کے حمایت یافتہ لوگ سیاست کے میدانوں میں کود پڑتے ہیں۔ ملک و قوم کی خدمت کی خاطر ہیں بل کہ اپنے آپ کو طاقت ور بنانے کے لیے، اپنی اجارہ جاری قائم کرنے کے لیے، ذات پات اور قوم کے نظام کے تحت یہ لوگ ملکی سطح تک جاتے ہیں۔ لوگ اسی قومیت پرستی کے پردے میں ان کی اصل حقیت دیکھ نہیں پاتے اور دیکھ بھی لیں تو اسے اپنی برادری کا فرد سمجھ کر فراموش کر دیتے ہیں۔ جب بات طاقت کے نشے کی ہو تو پھر یہ اس فرد سے گٹھ جوڑ کر لیتے ہیں جو ان کے خلاف ہی کیوں نہ ہو یہ اپنی قسمت کا رکھوالا خیال کرتے ہیں۔ اس تناظر میں عبدالعزیز ملک لکھتے ہیں کہ:

"ناول ذات پات کی قید کا استعارہ بھی ہے۔ سلامت علی کا کردار اپنی نوجوانی میں موضوع رکھوال کی نسرین نامی لڑکی سے محبت کا شکار ہوتا ہے۔ نسرین رکھوال کے ایک درمیانے درجے کے زمیندار کی بیٹی تھی۔ اس کا باپ بھی کوئی اتنا پڑھا لکھا نہیں تھا۔ ایک روز دونوں کی محبت کی خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی جو اس کے والد کے لیے انتہائی تشویش ناک تھی۔ اس کے بیٹے کی یہ حرکت کرامتیہ سلسلے کے زوال کا باعث بن سکتی تھی۔"(6)

اسی طرح پیر کرامت علی کی مستقل آماج گاہ موضع رکھوال بن جاتی ہے۔ اس غرض سے وہ وہاں بھی اس کا پیری مریدی والا سلسلہ جاری و ساری بل کہ مزید پھیلتا پھولتا ہے۔ کرامت علی کے پاس آنے والوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ دیہاتوں سے نکل کر اس کی شہرت پاس کے شہروں تک بھی جا پہنچتی ہے۔ مصنف نے اس کو علامتی انداز میں بیان کیا ہے کہ دیہاتوں کے سادہ لوح لوگوں کے ساتھ ساتھ شہروں کے پڑھے لکھے لوگ بھی جب اپنے مقاصد یا مفادات کے حصول کا معاملہ ہو تو کچھ بھی کر گزرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور دوسری وجہ کرامت علی کا تعلیم یافتہ ہوتا ہے۔ مذہبی و روحانی رہنماؤں کے پاس دنیاوی تعلیم زیادہ نہیں ہوتی کرامت علی کی خاص خوبی یہ تھی کہ وہ شہروں سے آنے والے لوگوں کے ساتھ ان کے لب و لہجے میں گفت گو کر کے متاثر کرتا جو ان کی تسلی کے لیے کافی تھا۔ مصنف نے پیر کرامت علی شاہ کے پیرائے میں پاکستان کے عموماً دیہاتی معاشرے کا ایک اہم پہلو بیان کیا ہے۔ وہ اولاد کے معاملے میں عورتوں کی ضعیف الاعتقادیاں اور شوہر یا خواوند کی طرف سے پیدا ہونے والا خوف ہے۔ اولاد کے بغیر عموماً دیہاتی معاشروں میں عورت غیر محفوظ تصور کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عاملوں، تعویز دھاگوں کے چکر میں آسانی سے آجاتی ہیں۔ ایسے نام نہاد عامل اور پیر ان کی اس مجبوری اور ان کی ضعیف الاعتقادی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان لوگوں کو جھانسہ دے کر ان کی جسمانی استحصال کر دیتے ہیں۔ پیر کرامت علی شاہ کے پاس آنے والی عورتوں میں ایک خاص تعداد ان عورتوں کی بھی تھی جن کے ساتھ عمل کے نام پہ حرص پوری کرتا تھا۔ یہ بیان حقیقت کا ایک تلخ رخ ہونے کے ساتھ ساتھ عقل مندوں کے لیے ایک سبق بھی ہے کہ جو لوگ خود ایسے بڑے کاموں میں مبتلا ہوں وہ دوسروں کے لیے خیر کا کیا کام کر سکتے ہیں۔ پیر کرامت علی کے اس فعل کا پردہ اس کے اپنے بیٹے کے ہاتھوں چاک ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس سے ملاقات کے لیے اس کے حجرے میں داخل ہوتا ہے:

"پیر کرامت علی شاہ کے سامنے الف ننگا بدن لاش کی صورت زمین پر سیدھا پڑا تھا۔ پیر صاحب اکڑوں بیٹھے اس بدن پر سر سے لے کر پاؤں تک ہولے ہولے اپنا ہاتھ پھیرے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ حلق اور ناک کے اندر سے وہی پرانی لمبی سے والی گنگناتی ہوئی آواز پیدا کیے جاتے تھے جیسے وار میں مصروف ہوں۔ یا کوئی فریاد کر رہے ہوں۔"(7)

پیر کرامت علی کا اکلوتا بیٹا صاحبزادہ سید امت علی ہے۔ پیر کرامت علی کے پاس مال دولت سب کچھ ہے جس کی اس نے تمنا کی تھی۔ اب وہ ان مقاصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے کہ جو وہ اپنی زندگی میں نہ حاصل کر سکا۔ ایک زمانے میں وہ سرکردہ انقلابی تنظیموں سے وابستہ تھا اور سیاست سے گہری دل چسپی رکھتا تھا؛ لیکن زندگی نے ایسا رخ بدلا کہ وہ اپنی خواہشات کو مکمل نہ کر سکا۔ البتہ اس کی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لیے وہ اپنے بیٹے کی خاص تربیت کر رہا تھا۔ اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم کے لیے شہر بھجوایا۔ اس کا طرزِ زندگی خاص گدی نشینوں جیسا رکھا۔ اس کی تربیت کے لیے خصوصی انتظام کیا گیا۔ شہر میں اس کی رہائش کے لیے ایک عمدہ کوٹھی خریدی گئی۔ یہ رویہ اسے بہت سے مذہبی رہنماؤں میں دکھائی دیتا ہے جو لوگوں کو قدیم فرسودہ طرزِ زندگی کے پند و نصائح کرتے ہیں اور ان کی اپنی اولادیں ہر طرح کی عیش و عشرت کی زندگی کے ساتھ ساتھ دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو رہے ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے بل پہ یہ ترقی کرتے ہیں ان کی گردنوں سے کبھی پاؤں نہیں اُٹھاتے کہ وہ ان کے سامنے کھڑے ہونے کی

Vol.5 No. 2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

جرات نہ پیدا کر لیں۔صاجزادہ سلامت علی جو والد کی خواہش کے مطابق اعلیٰ تعلیم اور سیاست کے امور سیکھ رہے تھے وہ ان سادہ لوح دیہاتیوں کے لیے ابھی بھی باعثِ رحمت و نجات بنے ہوئے تھے۔سلامت علی کی گاڑی گاؤں واپس آتے ہوئے خراب ہوگئی۔راہ چلتے ہوئے لوگ بھی اس پر جان نچھاور کرنے کو تیار تھے۔

"ڈرائیور نے شہر کی جانب جاتی ہوئی ایک ٹریکٹر ٹرالی کو روکا اور اس پر سوار ہوگیا۔چلنے سے پہلے کسان جو ٹریکٹر چلا رہا تھا ،نیچے اتر آیا۔اتر کر اس نے جھکتے جھکتے دوہرا ہو کر صاجزادہ سلامت علی شاہ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر چوما پھر موٹر کی کھڑکی میں ہاتھ داخل کر کے صاجزادہ کے گھٹنوں کو چھوا ،اپنی انگلیوں کو جو گھٹنوں سے چھوئی تھیں لبوں تک لے جا کر چوما اور خاموشی سے ٹریکٹر پر سوار ہو کر روانہ ہوگیا۔"(8)

دیہاتیوں کا یہ مقامی پہلو اس قدر پختہ ہوتا ہے کہ نسل در نسل وہ اس کے حصار سے خود کو نکال نہیں پاتے۔اس سے نکلنا ان کے لیے اپنے عذاب اور گناہ خیال کرتے ہیں۔صاجزادہ سلامت علی جو اگلی نسل کا نمائندہ ہے اس کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جارہا ہے جو اس کے باپ کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ساتھ ہی دیہات کی زندگی اس کی معاشرت کا بھی بیان ملتا ہے۔گلہ بانی ،کھیتی باڑی کرتے یہ لوگ اپنی فصلوں کی تیاری ،باغوں کے پھل ،مویشیوں کی بڑھوتری میں دن رات محنت ایک کرنے کے بعد بھی ایسے جعلی نام نہاد عاملوں ،پیروں کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔جو محض بناوٹی باتوں سے ان کو اپنے حصار میں جکڑتے رہتے ہیں۔

پیر کرامت علی شاہ کی ارادت مندوں میں عام لوگوں سے بڑھ کر اب بڑے بڑے زمینداروں کے علاوہ سیاست دان کاروباری شخصیات کے علاوہ فوج کے چند بڑے افسر بھی ان کے ارادت مندوں میں شامل تھے۔ان میں ایک ریٹائرڈ بر گیڈیئر بھی شامل تھے۔وہ ملازمت سے فراغت کے بعد زیادہ وقت پیر کرامت علی شاہ کے پاس گزارنے لگے ان کا شمار ان کے قریبی ساتھیوں میں ہونے لگا۔پیر کرامت علی نے ان کو صاجزادہ سلامت علی کی خاص طور پر تربیت کی ذمہ داری سونپی۔پیر کرامت علی شاہ اب بیٹے کے ذریعے سیاست کے میدان بھی اپنا جھنڈا گاڑھنا چاہتے تھے۔اس حوالے سے ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں:

"پیر کرامت علی شاہ کی سیاسی Ambitions تبدیل شدہ سیاسی حالات کا نتیجہ تھی۔یہ پاکستانی سیاست کا وہ زمانہ تھا جب جمہوریت کا نامکمل تجربہ کرنے کے بعد ملک میں ایک اور فوجی حکومت قائم ہوئی تھی۔"(9)

ناول نگار نے ملک کی سیاسی صورتِ حال کو بھی بیان کیا ہے کہ سیاست دان ہوں یا آمر دونوں مقامی مذہبی رہنماؤں کی مدد بھی حاصل کرتے ہیں۔ہر ایک اپنے مفادات کے حصول میں سرگرداں تھا۔پیر کرامت علی کا یہ اثر رسوخ اس کی آنے والی نسلوں کے لیے نت نئے راستے ہموار کرنے والا تھا۔پیر کرامت علی کا بیٹا تعلیم کے حصول کے بعد گاؤں واپس آچکا تھا۔کرامت علی نے اس کی تربیت کا ہر طرح سے خیال رکھا تھا کہ وہ ان تمام چیزوں کا حصول بھی ممکن بنائے جو وہ خود حاصل نہ کر سکا۔لیکن بیٹے کے واپس لوٹنے کے بعد زیادہ ڈیرہ زندہ نہ رہ سکا جب اس کی اصل حقیقت بیٹے کے سامنے آشکار ہوئی۔

ناول میں دوسرا نمایاں کردار رضیہ سلطانہ کا کردار ہے۔اس کردار کی ذیل میں بہت سے مقامی پہلو بھی بیان ہوئے ہیں۔کرامت علی اور اس کا دوست فیروز شاہ جب شہر میں تعلیم کے حصول کے لیے گئے تو رضیہ ان کی ہم جماعت تھی۔رضیہ کا تعلق شہر کے ایک گھرانے سے تھا جو خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ بے باک اور عملی طور پر متحرک تھی۔فیروز شاہ سے اس کی محبت کی داستان نے جنم لیا۔دونوں کے درمیان تعلقات تو تھے لیکن شادی نہ کی۔فیروز شاہ کی اچانک موت ہوگئی۔رضیہ سلطانہ نے جب بچے کو جنم دیا تو اسے فیروز شاہ کے گاؤں میں مسجد کی سیڑھیوں کے باہر پر رکھ دیا کہ کوئی خدا ترس اس کو گھر رکھ لے گا۔فیروز شاہ کا باپ اس مسجد کا امام تھا جس کی انماء پہ نمازیوں نے حرام کی اولاد قرار دیے کر بچے کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا۔بدلے میں رضیہ سلطانہ ممتا کی آگ میں جلتی ان تین نمایاں کرداروں کو جنھوں نے پتھر مارے تھے ،ان کو ہلاک کر دیتی ہے۔جس کے بدلے اسے پھانسی کی سزا سنائی جاتی ہے۔اپنے جرم کا اعتراف وہ فیروز شاہ کے باپ احمد شاہ کے سامنے پھانسی کی رات کرتی ہے جسے اس کی خواہش پہ گاؤں سے بلایا جاتا ہے۔

"کان کھول کر سن احمد شاہ وہ معصوم جسے تم نے اپنی زبان سے ملعون کہا وہ تمہارا پوتا تھا۔کیا؟ احمد شاہ کھلے منہ اٹھ کھڑا ہوا۔اس پہ لرزہ طاری تھا۔پوتا؟ ہاں۔فیروز شاہ کا بچہ تھا۔اپنے ہاتھوں سے تم نے اپنی نسل کشی کی۔یہ ایسی سزا تھی جو میں بھی تمھیں نہیں دے سکتی تھی۔"(10)

رضیہ سلطانہ کے اعتراف جرم میں بیان کی جانے والی تفصیل میں مقامیت کے مختلف پہلوؤں کو دیکھا جا سکتا ہے۔مقامیت کی معاشرتی ،ثقافتی ،مذہبی تصورات جو ہر علاقے کے اپنے مخصوص ہوتے ہیں ،دکھائی دیتے ہیں۔ان میں مختلف سماجی عوامل کے ساتھ ساتھ خاص مذہبی عقیدے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔احمد شاہ ایک مذہبی آدمی تھا جو امام مسجد ہونے کے ناطے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔لوگ اس کے پاس روحانی مسائل کے علاج کے لیے بھی آتے ہیں۔جو ان کے مخصوص عقیدوں کا بیان ہے۔کرامت علی جو جیل خانے میں ملازم تھا ،جب وہ گاؤں سے فیروز شاہ کے باپ احمد شاہ کو لینے گیا تو وہ کسی زمیندار کے ڈیرے پہ دم کرنے گیا تھا:

"گاؤں سے کچھ دور حسین احمد کے ڈیرے پہ گیا تھا۔حسین احمد کی بیٹی پہ جنوں کا سایہ تھا۔جب بھی جنات آکر پکڑتے تھے وہ عربی فارسی میں بولنا اور پچھاڑیں مارنا شروع کر دیتی تھی۔پھر اس کا باپ ،میاں احمد شاہ کو دم درود پڑھنے کو بلا بھیجتا تھا۔"(11)

Vol.5 No. 2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

پنجاب کی مقامی ثقافت میں ڈیرے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔بعض زمینداروں نے گاؤں سے باہر کھیتوں میں اپنی زمینوں پہ ہی مال مویشی پالنے کے ساتھ ساتھ وہیں رہائش بھی اختیار کی ہوتی ہے۔جو ڈیرے کے نام سے جانے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ دیہاتیوں میں مذہبی عقیدے کی بنیاد پر کسی بھی پریشانی کا ابتدائی حل مذہبی روحانی طریقے سے کیا جاتا ہے۔اس کام کی انجام دہی کے خود سے زیادہ امام مسجد یا مذہبی پیشوا کو مناسب خیال کیا جاتا ہے ،جو ان کے مسائل کے حل کے لیے عبادت وظائف کرتے ہیں اور اس کے بدلے ان کو مالی ،معاشی لحاظ سے بدلا چکایا جاتا ہے۔مقامی عناصر میں تعویز ،جادو ،جنات کے تصورات زیادہ پختہ ہوتے ہیں۔ان چیزوں پہ جلد اعتبار کر لیا جاتا ہے۔عمومی مسائل کی وجہ فوراً ان محرکات سے تعبیر کر لی جاتی ہے۔

رضیہ کے ظلم کا شکار ہونے والے تینوں مردوں کا تعلق ایک ہی گاؤں سے ہوتا ہے۔جن میں سے دونوں مقامی گاؤں میں رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ان کا قتل گاؤں میں ہی کیا جاتا ہے۔ان قتل کی وارداتوں کے بیان میں چند مقامی ثقافتی پہلوؤں کو دیکھا جاسکتا ہے۔رضیہ سلطانہ احمد علی بڑھی کے پاس قتل کی نیت سے گئی تو اس کی گفتگو میں مقامی ثقافت کے رنگ بہت نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔اس حوالے سے ناول کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "میں نے اسے تیار رکھا تھا کہ میں چک اُٹھاسی کی زمیندارنی ہوں ، اور اس کے پڑھوں کی مشہوری سن کر آئی۔یہ بات سن کر وہ فخر سے پھول گیا۔میں نے ان سے کہا کہ میرے لیے وہ خاص عمدہ قسم کے چار روغنی پیڑھے تیار کر کے قیمت کی پرواہ نہ کرے۔جتنی لاگت بھی آئے میں دینے کے لیے تیار ہوں۔مگر یہ خیال رکھے کہ پڑھے ایسے ہوں جن کی بناوٹ اور روغن اور نقش ونگار کی مثال علاقے بھر میں نہ ملتی ہو۔"(12)

پنجاب کے مقامی ثقافتی عناصر نمایاں ہیں۔اس کے علاوہ روزانہ کے معمول کے حوالے سے بھی ناول میں مقامیت کے عناصر موجود ہیں۔ناول نگار نے ان عناصر کے بیان میں مقامی زبان کے الفاظ ہی استعمال کیے ہیں۔ان کے مقامی ناموں کے ساتھ ان کا بیان اس ثقافت کو اُجاگر کرنا ہے۔رضیہ سلطانہ اپنے پہلے شکار کے بیان میں کہتی ہے :

> "دوپہر کے وقت وہ صبح کا کام ختم کر کے درختوں کے ایک چھوٹے سے جھنڈ میں جاتا ہے اور وہاں وہ اپنی بوٹلی کھول کر اچار سے یا چٹنی سے روٹی کھاتا ہے۔کھانے کے بعد وہ اپنی گڑوی کے منہ پر بندھا ہوا کپڑا کھولتا ہے اور لسی کے گھونٹ بھرتا ہے۔کھاتے پیتے کا کام ختم کر کے وہ اُٹھ کر پیشاب کرتا ہے اور پھر درخت کی جڑ کے پاس لیٹ کر گھنٹہ دو گھنٹہ ستایا کرتا ہے۔"(13)

ان اقتباسات کی روشنی میں پنجاب کی خالص ثقافت کو دیکھا جاسکتا ہے۔دیہات کی زندگی سادہ ہوتی ہے۔عموماً زیادہ تر لوگوں کا ذریعہ معاش زراعت سے وابستہ ہوتا ہے۔چاہے زمیندار ہو یا اس کے کھیتوں میں کام کرنے والا ایک عام آدمی۔اس کی زندگی اس کے اپنے محدود دائرہ کار میں گزرتی ہے۔لسی دیہات میں ایک اہم غذا تصور کی جاتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ زرعی اوزار ہوں یا اشیا کے نام مصنف نے مقامی ثقافت کو بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔مقامی بیانیے میں تمام ناول کا قصہ بیان ہوا ہے۔

ناول میں شہر کا ماحول مختصر ہے۔اس کے علاوہ وہ تمام کرداروں کے اعمال و افعال مقامی نوعیت کے ہیں۔ناول کے بیان میں بڑے شہروں کی ثقافت یا بیانیہ نہیں ملتا۔مابعد جدیت کے تحت ناول مجموعی طور پر یہ بات کی جائے تو اس میں مقامی یعنی چھوٹے بیانیے کی ذیل میں مقامی عناصر ملتے ہیں۔دیہات کی مخصوص زندگی اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے۔چھوٹی چھوٹی جزئیات نگاری سے ناول نگار نے مختلف سماجی عوامل کو بیان کیا ہے۔عموماً بہت سے مصنفین کی تحریروں کا دائرہ کار بڑے شہروں کے گرد گھامتا ہے۔ان کے ہاں کردار آئیڈل اور اشرافیہ کے طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ایسی تحریروں میں رول ماڈل قسم کے کردار تو تخلیق کیے جاسکتے ہیں تاہم اصل حقیقت اور سچائی کے دامن سے یہ تحریریں خالی دکھائی دیتی ہیں۔ان کی وجہ سے مقامی تقاضوں کے مسائل صرفِ نظر بھی ہو جاتے ہیں۔ناول "قید" میں ناول نگار نے مقامیت کی ذیل میں بہت اہم اور نازک مسائل کی طرف نہ صرف نشان دہی کی بل کہ ان کو جرات سے بیان بھی کیا ہے۔مقانی ثقافت کی ذیل میں توہمات،رسوم ورواج،روایات کا بیان ملتا ہے۔ذریعہ معاش سے لے کر مذہبی تصورات تک ایک مخصوص رنگ دکھائی دیتا ہے۔

حوالہ جات

1۔گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر "مابعد جدیدیت اردو ادب کے تناظر میں"۔شمولہ،مابعد جدیدیت اطلاقی جہات مرتبہ؛ناصر عباس نیر،ڈاکٹر۔بیکن بکس ملتان 2015ء۔ص66

2۔اشرفی وہاب،"مابعد جدیدیت مضمرات وامکانات"ایجوکیشنل ہاوس،دہلی۔2014ء۔ص55

3۔حسین عبداللہ "قید"سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور۔2018ء۔ص9

4۔نواز شاہد "پاکستانی اردو ناول میں عصری تاریخ(1947ء تا2007ء)"مثال پبلی کیشنز فیصل آباد2008ء۔ص230

5۔حسین عبداللہ۔قید؛ص51

6۔ملک عبدالعزیز عبداللہ حسین کا استعاراتی ناول قید۔مشمولہ؛"عبداللہ حسین نمبر سہ ماہی ادبیات "اکادمی ادبیات پاکستان۔2018ء،ص345

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No. 2 2022

7۔ حسین عبداللہ "قید" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔2018ء۔ ص70
8۔ حسین عبداللہ "قید" ص66
9۔ اشرف خالد۔ برصغیر میں اردو ناول۔ ماڈرن پبلی کیشنز ہاوس دہلی، 1995ء۔ ص105
10۔ حسین عبداللہ "قید" ص97
11۔ حسین عبداللہ "قید" ص80
12۔ حسین عبداللہ "قید" ص87
13۔ حسین عبداللہ "قید" ص83